ذکی الرحمٰن ندوی غازی ★

شعبان کے روزے: احکام وآداب

شعبان کے مہینے کو اللہ کے رسول ﷺ نے روزہ جیسی مقدس ومبارک عبادت سے مخصوص قرار دیا ہے۔ آپؐ شعبان کے مہینے میں جس کثرت اور پابندی سے روزوں کا اہتمام فرماتے تھے وہ رمضان کے علاوہ دیکھنے کو نہیں ملتا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''میرے مشاہدے میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ رمضان کے علاوہ بھی کسی مہینے کے مکمل ایام روزوں کا التزام فرمایا کرتے تھے۔ اور میرے مشاہدے میں یہ بھی نہیں ہے کہ آپؐ شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھا کرتے تھے۔''

ما رايت رسول اللّٰه ﷺ استكمل صيام شهر قط الا رمضان، وما رأيته في شهر أكثر صياما منه في شعبان. (صحيح بخاری: ١٩٧٠)

صحیح مسلمؒ کی روایت کا اضافہ ہے: ''آپ کچھ کے علاوہ سارے شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے۔'' ہمارے علم میں یہ بات ہے کہ روزہ ایک جلیل القدر عبادت ہے، جس کی فضیلت کے لیے اتنا کافی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کے وجود اور اس پر مترتب ہونے والے اجر وثواب کو اپنی ذاتِ اقدس سے منسوب ومربوط کیا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''آدم زاد کا ہر عمل اس کی اپنی مد میں شمار ہوتا ہے سوائے روزہ کے، کہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر ہوں۔''
(صحیح بخاریؒ: ۱۹۰۴۔ صحیح مسلمؒ: ۲۷۶۰)

شعبان کے مہینے میں بکثرت روزے رکھنے کی اس نبوی عمل کی حکمت کو بھی اللہ کے رسول ﷺ نے ایک حدیث کے ذریعے اپنی امت کے سامنے بیان فرمادیا ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کا عمل یہ تھا کہ آپؐ روزہ رکھتے تھے تو اتنے دن ملاتے جاتے کہ ہم کہنے لگتے کہ اب آپؐ کبھی روزہ نہ چھوڑیں گے، اور جب آپؐ روزہ نہ رکھتے تو ایسا معلوم

★ ڈاسنہ، غازی آباد (یوپی)

ہوتا کہ آپؐ بالکل روزے نہیں رکھتے ہیں۔لیکن آپؐ کسی مہینے میں اس کثرت سے روزوں کی پابندی نہیں کرتے تھے جس طرح سے شعبان کے مہینے میں کرتے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپؐ روزے رکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ افطار نہیں کریں گے اور افطار فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روزے نہیں رکھیں گے،البتہ ہفتہ میں دو دن آپؐ ہر حالت میں روزوں کا التزام فرماتے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کون سے دو دن؟ میں نے عرض کیا: پیر اور جمعرات کے دن۔ آپؐ نے فرمایا: یہ دو دن ایسے ہیں کہ ان میں تمام اعمال اللہ رب العالمین کے حضور پیش ہوتے ہیں، اور میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حالت میں پیش کیا جائے کہ میں روزہ دار ہوؤں۔ میں نے پھر عرض کیا: میرا مشاہدہ ہے کہ آپؐ شعبان میں دیگر مہینوں کے مقابلے میں زیادہ روزے رکھتے ہیں؟ آپؐ نے جواباً فرمایا: شعبان - جو کہ رجب اور رمضان کے بیچ کا مہینا ہے- بیشتر لوگ اس کی عظمت سے غافل رہتے ہیں، حالانکہ اسی مہینے میں بندگانِ خدا کے اعمال وتصرفات اللہ رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اور مجھے یہ بات محبوب ہے کہ میرے اعمال کو اس حالت میں اٹھایا جائے کہ میں روزہ سے ہوؤں۔"

(ا) شعبان کی پندرہ تاریخ میں روزے کا حکم:

شعبان کے پندرہویں دن کا روزہ رکھنا ہرگز ممنوع نہیں ہے۔اس کے دو سبب ہیں:

اول: وہ سنتِ رسول ﷺ سے ثابت فضیلت کے حامل ایامِ بیض کے ضمن میں آتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

أوصاني خليلي ﷺ بثلاث: بصيام ثلاثة ايام من كل شهر وركعتي الضحىٰ وأن أوتر قبل أن أرقد. (صحيح مسلمؒ: ۷۲۱)

"میرے خلیل ﷺ (سچے دوست) نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی ہے، ہر ماہ تین دن کے روزوں کی اور چاشت کی دو رکعت نماز کی اور رات سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔"

دوم: نصف ماہ کے دن رکھا جانے والا یہ روزہ ماہِ شعبان کے سلسلے میں وارد عمومی استحبابِ صیام کے ضمن میں بھی آتا ہے۔اس بابت وارد حدیث کا تذکرہ پیچھے آ چکا ہے۔البتہ اس بارے میں جو مشہورِ عام حدیث روایت کی جاتی ہے،اس پر اعتماد کر کے خاص اس دن کی کوئی فضیلت یا خصوصیت مستنبط کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت کیا جاتا ہے کہ اللہ کے

رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[اذا كان ليلة نصف شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فان الله تعالیٰ ينزل فيها لغروب الشمس الیٰ السماء الدنيا فيقول: ألا مستغفر فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا حتى يطلع الفجر](سنن ابن ماجةؒ:۱۳۸۸. قال الألبانیؒ: ضعيف جدا أو موضوع)

''جب شعبان کے نصف (پندرہویں دن) کی رات ہو تو اس رات عبادت کرو اور دن میں روزہ رکھو، کیونکہ اللہ رب العزت اس دن غروب آفتاب کے ساتھ ہی سمائے دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں: کیا نہیں ہے کوئی مغفرت کا طلب گار تا کہ میں اس کی مغفرت فرما دوں؟ کیا نہیں ہے کوئی رزق کا طلب گار تا کہ میں اسے رزق عطا کروں؟ کیا نہیں ہے کوئی ابتلا کا مارا تا کہ میں اس کو عافیت دے دوں؟ اللہ تعالیٰ ایسے ہی فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ صبح نمودار ہو جاتی ہے۔''

(۲) شعبان کے نصف ثانی میں روزوں کا حکم:

ائمہ شوافعؒ میں اکثریت کی رائے یہ ہے کہ ماہِ رمضان سے چند ایام قبل روزہ رکھنے کی جو ممانعت صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے، اس کا آغاز شعبان کے سولہویں دن سے ہو جاتا ہے، بالفاظ دیگر شعبان کے نصف ثانی میں روزہ رکھنا یک گونہ کراہت یا عدم جواز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''جب شعبان کا نصف ہو جائے تو روزے نہ رکھو۔'' [اذا انتصف شعبان فلا تصوموا] (سنن ابو داؤدؒ: ۲۳۳۷ مع صحیح البانیؒ) اس کے برعکس دیگر ائمۂ کرامؒ و اہلِ علمؒ حضرات کی رائے ہے کہ ممانعت کے دائرہ میں ماہِ شعبان کے آخری دو یا تین دن ہی آتے ہیں۔ ان حضرات نے مذکورہ بالا حدیث کو مرجوح قرار دیتے ہوئے صحیح مسلمؒ کی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:''

لا تقدموا رمضان بصوم يوم أو يومين الا أن يكون رجل كان يصوم صوماً فليصمه. (صحيح مسلمؒ:۱۸۰۲)

''رمضان سے ایک یا دو دن پہلے سے روزہ رکھنا چھوڑ دو، الا یہ کہ کوئی شخص کسی خاص دن روزہ رکھتا تھا تو اسے روزہ رکھنا چاہیے۔''

ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان آنے سے تین دن پہلے تک روزہ رکھا جاسکتا ہے، مزید برآں خود آپ کا معمول بھی یہی ہوا کرتا تھا (نیل الأوطار، شوکانی: ۴/ ۴۳۹)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ نصف شعبان سے روزوں کی ممانعت خاص اُن افراد سے متعلق مانی جائے جن کی عادت نفل روزے رکھنے کی نہیں ہوتی۔ جب کہ رمضان سے دو تین روز قبل روزہ رکھنے کی اجازت اُن لوگوں کے ساتھ خاص مانی جائے جو بشمول شعبان پورے سال نفلی روزوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کی توضیح فرمانِ رسول ﷺ میں وارد استثناء کے قرینے سے بھی ہوتی ہے۔

امام طحاویؒ کے نزدیک تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ممانعت کی حدیث میں مخاطب وہ لوگ ہیں، جن کو روزوں کے باعث ضعف و ناتوانی لاحق ہوجاتی ہے۔ جب کہ ثانی الذکر حدیث کے مخاطب وہ لوگ ہیں، جن کو کثرتِ صیام کے باوجود کمزوری یا ناتوانی کا احساس نہیں ہونے پاتا۔ (نیل الأوطار، شوکانی: ۴/ ۴۳۹)

امام شنقیطیؒ نے اس مسئلہ میں مختلف ائمۂ اعلام کی آراء میں تقریب کی کوشش کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ممانعت کی روایت زیادہ سے زیادہ حسن حدیث کے درجے میں آتی ہے، جبکہ اس کے برخلاف ثانی الذکر حدیث صحیح مسلمؒ میں وارد ہے۔ تطبیق کی خاطر کہا جاسکتا ہے کہ رمضان سے قبل ایک دو دن پہلے روزہ چھوڑ دینے کے حکم میں از روئے احتیاط پورے ماہ شعبان کے آخری نصف کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے کی اجازت انہی لوگوں کے ساتھ خاص مانی جائے گی جو بآسانی روزہ رکھنے پر قادر ہوتے ہیں اور جنہیں روزوں پر مداومت کمزوری وضعف میں مبتلا نہیں کرنے پاتی۔ (زاد المستقنع، شنقیطیؒ: ۱۹/ ۲۷۳)

(۳) یوم شک میں روزہ رکھنے کا حکم:

یوم شک سے مراد شعبان کا تیسواں دن ہوتا ہے۔ جب کہ اس بات میں تردد پیدا ہوجائے کہ وہ رمضان کا پہلا دن تو نہیں ہے۔ فقہائے کرامؒ نے اس دن کی اور بھی تعریفات ذکر کی ہیں۔ لیکن سب کا فحویٰ و مفہوم تقریباً یہی ہے۔ اس دن روزہ رکھنے کے حکم میں اختلافِ رائے کے باوجود تمام اہلِ علم حضرات کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کا کسی مخصوص دن روزہ

رکھنے کا معمول ہو اور وہ دن اس تاریخ کو آجائے تو اس کے لیے اس دن روزہ رکھنا جائز ہے۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ، وہبہ الزحیلیؒ: ۳/ ۱۶) جمہور اہلِ علم (بشمول حنفیہؒ ومالکیہؒ) کے نزدیک اس دن کا روزہ رکھنا مکروہِ تحریمی ہے، شوافع کے نزدیک قطعی حرام ہے۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ، وہبہ الزحیلیؒ: ۳/ ۱۷) حنابلہؒ کے ظاہر مسلک کے مطابق اس دن کا روزہ رکھنا واجب ہے، بعد میں اگر ثابت ہو جائے کہ یہ رمضان ہی کا دن تھا تو رمضان کا روزہ مانا جائے گا۔ وگرنہ من باب الاحتیاط نفلی روزہ شمار ہوگا۔ (شرح زاد المستقنع، شیخ الحمدؒ: ۵/ ۱) ان کے نزدیک فرمانِ رسول ﷺ ''فان غم علیکم فاقدروالہ'' (اگر مطلع صاف نہ ہو تو اس ماہ کا اندازہ لگاؤ یعنی شعبان کے تیس دن پورے کرو) کا مفہوم یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں شعبان کے مہینے کو تنگ کر دیا جائے (فاقدروالہ) یعنی اس کو انتیس دن پر محدود کر دیا جائے۔ (تیسیر العلام شرح عمدۃ الأحکام: ۱/ ۲۸۲)

علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث **فان غم علیکم فاکملوا العدد ثلاثین** میں صراحت ملتی ہے کہ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں شعبان کے تیس دن مکمل کیے جائیں گے۔ اس لیے جمہور اہلِ علم کا مسلک یہی ہے کہ رمضان کے روزے تبھی رکھے جائیں گے جبکہ شعبان کے اختتام کا یقین حاصل ہو جائے۔ اس کے دو طریقے ہیں: رؤیتِ ہلالِ رمضان یا شعبان کے تیس دن کا گزر جانا۔ رمضان کے اختتام اور شوال کی آمد کے موقع پر بھی یہی معیار قابلِ قبول ہوگا۔ (الاستذکار: ۳/ ۲۷۵)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض دوسرے اجل صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ یہ حضرات رمضان وغیرِ رمضان میں فصل وامتیاز کی خاطر رمضان سے قبل دو تین دن روزہ نہ رکھنے کو مستحب خیال کرتے تھے۔ اسی طرح ان حضرات کے نزدیک فرض اور نفل سنتوں کے مابین بھی فاصلہ وامتیاز کیا جانا چاہیے۔ اب چاہے یہ فصل بات کر کے کیا جائے یا کھڑے ہو کر یا چل کر، یا پھر اپنی جگہ سے آگے پیچھے ہٹ کر۔ (الاستذکار الجامع لمذاہب فقہاء الامصار: ۳/ ۳۳۳) علامہ ابن القیمؒ اور امام شوکانیؒ نے بھی طویل گفتگو کے بعد جمہور اہلِ علم کی تائید کی ہے۔ (زاد المعاد: ۵/ ۲۔ السیل الجرار: ۲/ ۱۱۵)

★★★